افاداتِ سلیم چشتی (مرحوم)

کانٹ سے مارکس تک (۱)

© rasailojaraid.com

تمہید کانٹ فلسفۂ جدید کا بانی ہے۔ اس کا فلسفیانہ نظام دراصل عقل اور ایمان (REASON AND FAITH) میں ہم آہنگی کی سعیٔ ناتمام کا دوسرا نام ہے۔ جب اُس نے اپنے نامور ہم عصر اور سکاٹ لینڈ کے سب سے بڑے فلسفی ہیوم کی تصانیف کو غور سے پڑھا تو وہ خود لکھتا ہے کہ "میں خوابِ غفلت سے بیدار ہوگیا اور میری تحقیق کا رُخ بالکل بدل گیا۔ چنانچہ ہیوم کے زبردست منطقی استدلال سے متاثر ہو کر کانٹ نے اعلان کر دیا کہ ہم کسی شئے کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اس لاادریت کا انجام اس بات پر ہوا کہ کانٹ نے تسلیم کر لیا کہ ہم عقل کی رُو سے خدا کی ہستی، اختیارِ انسانی اور نفسِ ناطقہ کی بقا کو ثابت نہیں کر سکتے۔

لیکن عقلی رنگ میں خدا کا انکار کر دینے کے بعد، کانٹ سرکاری یونیورسٹی میں ملازم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے "تنقیدِ عقلِ خالص" میں جو کچھ کہا تھا "تنقیدِ عقلِ عملی" میں اس کی تردید کر دی یعنی خدا کی ہستی اور نفسِ ناطقہ کی بقا کا اقرار کر لیا۔ اس طرح اگرچہ اُس نے عقل اور ایمان میں ہم آہنگی کی کوشش کی مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ کانٹ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اسی لئے میں نے "سعیٔ ناتمام" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ واضح ہو کہ کانٹ کی حالت یہ تھی کہ

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عقل کہتی تھی کہ خدا کا وجود اور بعدِ وفات، نفس کا وجود دونوں باتیں ثابت نہیں ہو سکتیں۔

© rasailojaraid.com

لیکن دل انکار پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے اس نے فلسفۂ اخلاق کے دامن میں پناہ لی اور کہا کہ ہمارے ضمیر کی تلقین یہ ہے کہ خدا بھی ہے اور حیات بعد الممات بھی۔

کانٹ نے وفات سے دس سال پہلے ایک کتاب لکھی "RELIGION WITHIN THE LIMITS OF PURE REASON" ——————— "مذہب عقلِ خالص کی حدود میں" گویا آخر عمر میں اس پر عقلِ خالص کا دورہ دوبارہ پڑا اور اس نے عیسائیت کے حکمانہ عقائد کی تردید کردی۔ لیکن جب یونیورسٹی نے اسے ایک تہدید آمیز خط لکھا تو اس نے فوراً ... معذرت نامہ شائع کردیا اور جب اس کے ایک بے تکلف دوست نے اس کے اس طرزِ عمل پر حیرت کا اظہار کیا تو اس نے معصومانہ انداز میں کہا۔ "یہ کوئی ضروری بات تو نہیں ہے کہ انسان جن باتوں کو سچ تسلیم کرتا ہے ان کا اعلان بھی کرے"[1]۔

---

[1] بس یہی فرق ہے ایک فلسفی اور ایک مردِ مومن میں۔ مثلاً جب ۱۹۲۱ء میں کراچی کے مشہور خالق دینا ہال میں انگریز جج نے مجاہدِ اعظم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ پر یہ الزام عائد کیا کہ آپ "ملک معظم" کی وفادار رعایا کو بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں تو اس مردِ مومن نے برجستہ یہ جواب دے کر تاریخ کے صفحات پر اپنی قوتِ ایمانی کا نقش ثبت کر دیا کہ "میں بحمد اللہ مسلمان ہوں اور میرے عقیدے کی رو سے مسلمانوں کا کفارِ فرنگ کی فوج میں بھرتی ہونا بفحوائے نصِ قرآنی قطعاً حرام ہے۔ نیز دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے معتقدات کے برملا اظہار سے باز نہیں رکھ سکتی۔ میں اس عدالت میں بھی اپنے اس عقیدے کا پوری ایمانی قوت کے ساتھ اعلان کرتا ہوں اور انشاء اللہ تختۂ دار پر بھی یہی کہوں گا جو اس وقت کہہ رہا ہوں۔ قرآن مجید واشگاف لفظوں میں حکم دیتا ہے۔ " تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ "۔ اندریں حالات میں مسلمانوں کو ایک دشمنِ اسلام قوم سے تعاون کا مشورہ کیسے دے سکتا ہوں! میرا مذہب مجھے انگریز کے ساتھ تعاون سے منع کرتا ہے"۔

جج پر تو اس نعرۂ حق کا کیا اثر ہوتا۔ کہیں پتھر میں بھی جونک لگی ہے! ہاں رئیس الاحرار مولانا محمد علی خلد مکانی نے، جو حضرت اقدسؒ کے ساتھ ماخوذِ جرم تھے بیساختہ اپنا سر جانشینِ احمد ابن حنبلؒ اور امام [illegible] کے قدموں پر رکھ دیا اور عقیدت کے آنسوؤں کے قیمتی موتی نثار کر دیئے!

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

الغرض خدا کی ہستی پر عقلی دلائل کا ابطال کر کے کانٹ نے انکار اور تشکیک کا دروازہ کھول دیا اور اس جلتی پر تیل کا کام اس طرح پورا ہو گیا کہ مذہب عیسوی کی بھونڈی تائید کر کے ہیگل نے اربابِ علم کو عموماً اور اپنے بعض متبعین کو خصوصاً نفس مذہب ہی سے متنفر کر دیا اور چونکہ عصرِ حاضر میں فلسفہ و حکمت کی دنیا میں کانٹ اور ہیگل کو وہی مقام حاصل ہے جو ازمنۂ قدیمہ میں افلاطون اور ارسطو کو حاصل تھا۔ اس لئے ان دونوں فلسفیوں کے افکار نے مغربی اقوام کے اذہان کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا اور اس طرح انکارِ خدا اور انکارِ مذہب کو، انیسویں صدی کے آخر میں 'اساس الحکمت' کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ بقولِ اقبال ؎

دانشِ حاضر حجابِ اکبر است　　　بت پرست و بت فروش و بت گر است

© rasailojaraid.com

کانٹ

کانٹ کے پیشِ نظر دو اہم مسئلے تھے۔ پہلا مسئلہ تو علم کا تھا اور دوسرا مسئلہ اخلاقی طرزِ عمل کا۔ اور یہ مسائل ہیوم[۱] کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کے دماغ میں پیدا ہوئے اور اسی لئے اس نے یہ اعتراف کیا کہ "ہیوم نے مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کیا"۔ چنانچہ کانٹ نے سب سے پہلے عملِ شعور کی ماہیت پر غور کیا اُس نے کہا کہ خدا کے بارے میں اپنے علم پر یقین کرنے سے پہلے ہم کو یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ہم علم کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ کانٹ نے خود ذہنِ مُدرک پر بھی تنقیدی نگاہ مبذول کی جو حصولِ علم کا ایک آلہ ہے۔ اس نے حصولِ علم کے خارجی اور داخلی ذریعہ میں امتیاز کی سعی کی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم کو صرف مظاہر کا شعور حاصل ہو سکتا ہے حقائق کا علم نہیں ہو سکتا۔ ہم صرف اس دنیا کو جان سکتے ہیں جو ہمارے ذہن سے (بواسطۂ حواس) مربوط ہے۔ اشیاء کی حقیقت کو نہ ہم جانچ سکتے ہیں اور نہ اس کا تصور کر سکتے ہیں کیونکہ جب ہم حقائق پر بحث کرتے ہیں تو 'ANTINOMIES' کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دلائل اثباتِ وجودِ باری سب ناقابلِ تسلیم (UNTENABLE) ہیں۔ خلاصۂ کلام اینکہ کانٹ کے فلسفے کا نتیجہ (UPSHOT) لا ادریت ہے۔ چنانچہ خود دینِ مسیحیت کے بارے میں وہ اپنی تصنیف "مذہب عقلِ خالص کی حدود میں" میں کانٹ نے

۱؎ بلکہ ہیوم کے زیرِ اثر (وہ خود کہتا ہے کہ مجھے ہیوم نے تحقیق پر مائل کیا۔ ورنہ قبل ازیں میں سو رہا تھا)۔

© rasailojaraid.com

لکھا ہے کہ ابنِ اللہ دراصل انسانِ کامل کا آئیڈیل ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے۔ مزید برآں وہ تثلیثِ تجسّم اور کفارے کو بھی کلیسائی معنوں میں تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان تینوں عقیدوں کی تاویل کرتا ہے۔ ہمارے زمانے میں ڈاکٹر رشیڈل نے بھی ان عقائد کا انکار کیا ہے، کیونکہ یہ تینوں عقیدے خلافِ عقل ہیں۔

کانٹ کچھ عرصے تک وولف کے فلسفے کا متّبع رہ چکا ہے لیکن بعدازاں اُسے اس کے فلسفے پر اعتراضات پیدا ہوگئے، اور وہ لاک کے افکار کی طرف متوجہ ہوا مگر اس فلسفے کی رُو سے احساسات کا نظریہ یہ ہے کہ ذہن مختلف خارجی اشیاء کے احساسات کو قبول کرتا رہتا ہے خود کوئی عمل نہیں کرتا لیکن جب تک ذہن میں احساسات کو ایک لڑی میں پرونے کی قوت نہ ہو اس وقت تک ہم صرف غیر مربوط احساسات کے تسلسل کا علم حاصل کر سکتے ہیں حقیقی صداقت تک نہیں پہنچ سکتے۔

چنانچہ کانٹ بڑے غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ذہنِ انسانی بھی علم کے حصول میں عمل کرتا ہے۔ انسان جو معلومات بذریعۂ حواس حاصل کرتا ہے، ذہن ان معلومات کو ترتیب دیتا ہے۔ یعنی ذہن تجربات اور مشاہدات کے خام مواد کو اپنے تیّار کردہ سانچے میں ڈھال کر پیش کرتا ہے۔ چنانچہ کانٹ نے کہا کہ زمان اور مکان یہ دونوں خارجی اشیاء کی صفات نہیں ہیں بلکہ ہماری قوتِ احساس کی مختلف صورتیں ہیں، اور فہم کے نام نہاد مقولات دراصل وہ ذہنی اصول ہیں جن کے واسطے سے ہمارے تجارب علم کی وحدت اور ربط کا درجہ حاصل کرتے ہیں ــــــــ!

علم کے اس تصور سے کانٹ کے فلسفۂ تصوّریت کی وہ واضح خصوصیت ہمارے سامنے آجاتی ہے جس کی بدولت فلسفے ہی میں انقلاب پیدا نہیں ہوا بلکہ علم کا ہر مسئلہ متأثر ہوا ہے۔

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی یہ تو صرف ہماری محسوس دنیا کا دائرہ ہے جس میں ہم گردش کر رہے ہیں مگر ایک دنیا ورأ المحسوسات بھی تو ہے۔ پس جو باتیں ہمارے حواس کی گرفت سے باہر ہیں ان کا علم ہمیں کس حد تک اور کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

کانٹ کہتا ہے کہ ہمارا ذہن صرف محسوسات سے مربوط اور متعلق ہو سکتا ہے اس

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

لیے ہم صرف مظاہر (PHENOMENA) یا حوادث کا حقیقی علم حاصل کر سکتے ہیں لیکن اشیاء کی حقیقت کا علم ہمیں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ ان مظاہر یا حوادث کے پس پردہ ہے اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ پس جب ہم کسی محسوس شے کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے تو نفسِ ناطقہ، عالم ورار المحسوسات اور خدا کے وجود سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں؟

لیکن جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، کانٹ مذہب سے قطع تعلق کرنا بھی نہیں چاہتا تھا اس لئے اگر "تنقید عقلِ خالص" میں اُس نے خدا اور نفسِ ناطقہ کا انکار کیا تو "تنقید عقلِ عملی" میں اُس نے ان دونوں کا اثبات کر دیا یہ کہہ کر کہ اگرچہ ہم اپنی خالص، استدلالی عقل کے ذریعے سے خدا کو دریافت نہیں کر سکتے تاہم ہمارا اخلاقی شعور ہمیں اُس تک پہنچا سکتا ہے نیز عقلِ عملی اگرچہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عقلِ خالص سے مختلف ہے، مگر عقلِ نظری (خالص) سے کمتر یا فروتر نہیں ہے۔

کانٹ کے نزدیک اخلاقی قانون سے متعلق ہمارا شعور، تجاربِ حسّی کی طرح ایک حقیقت نفس الامری ہے۔ نیز وہ ہم پہ خارج سے مسلط نہیں ہو گیا ہے۔ تمام اخلاق کی بنیاد حریتِ نفس پر ہے جو ہمیں حاصل ہے اس کی بدولت ہم اخلاقی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اگر انسان کو مجبور تسلیم کر لیا جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں تو مجبور ہوں اس لئے اخلاقی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

اب اخلاقی زندگی کا نتیجہ راحت یا مسرت ہے مگر بہت سے انسانوں کو ان کی پاکیزہ اخلاقی زندگی کے مطابق مسرت حاصل نہیں ہوتی نیز ہماری صلاحیت اور استعدادِ حصول خیرِ اعلیٰ بھی محدود ہے اس لئے مرنے کے بعد بھی زندگی ہونی چاہیئے تاکہ ہم اخلاقی قوانین کی پابندی کر کے خیرِ اعلیٰ (HIGHEST GOOD) سے بہرہ ور ہو سکیں اور پاکیزہ زندگی کا اجر عطا کرنے کے لئے ایک قادرِ مطلق ہستی بھی موجود ہونی چاہیئے جو ہر شخص کو اس کے اعمال کی صحیح اور مناسب جزا دے سکے (تفصیل کے لئے دیکھو شرح تنقید عقل خالص از پروفیسر این کے اسمتھ ص ۵۷۱ تا ص ۵۷۴)

کانٹ نے خدا اور بقائے نفس پر جو دلیل دی ہے وہ اگرچہ بظاہر بڑی دل کش نظر آتی

© rasailojaraid.com

ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ خالص علمی سطح پر اربابِ عقل اسے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے ۔ اس لئے کہ اول تو اخلاقی شعور (MORAL CONSCIOUSNESS) بذاتِ خود ایک اختلافی مسئلہ ہے ۔ اور کوئی حتمی اور قطعی دلیل ایسی موجود نہیں ہے جو کسی شخص کو یہ کہنے سے روک دے کہ اخلاقی اصول یا نیکی کے تصورات نہ سرشتِ انسانی میں پیوست ہوتے ہیں، نہ یکساں ہوتے ہیں، نہ ہر شخص ان سے بہرہ ور ہوتا ہے ۔ مزید برآں نہ وہ یکساں و عالمگیر ہوتے ہیں اور نہ ہی مطلق اور اور غیر ممکن التغیر ہوتے ہیں ۔ اور اگرچہ پروفیسر سارلے (SORLEY) نے اپنی تصنیف ــــ "اخلاقی اقدار (MORAL VALUES & THE IDEA OF GOD) ــــ اور تصورِ باری تعالیٰ" میں اخلاقی اقدار کو مطلق اور مستقل اور جبلی یا پیدائشی ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس کی دلیلیں ایک فلسفی کو مطمئن نہیں کر سکتیں اور صرف وہی لوگ جو خدا کو از خود مانتے ہیں وہ بے شک مطمئن ہو سکتے ہیں بلکہ نعرۂ تحسین بھی بلند کر سکتے ہیں۔

ثانیاً کانٹ نے اپنے استدلال کی بنیاد "چاہیئے" رکھی ہے ۔ لیکن یہ بنیاد سراسر "پائے چوبیں" کا نقشِ ثانی ہے ۔ اس لئے کہ صرف "چاہیئے" سے "موجود ہے" یعنی خدا یا نفسِ ناطقہ کی ہستی ثابت نہیں ہو سکتی اور "شاید" یا "باید" اور "ہست" کے درمیان جو خلیج ہے اسے کسی منطق کے ذریعے سے نہیں پاٹا جا سکتا [1]

کانٹ نے اپنے مذہبی افکار "مذہب در حدودِ عقلِ خالص" میں بیان کئے ہیں ۔ یہاں کانٹ مسلک "DEISM"[2] کا ترجمان نظر آتا ہے یعنی خدا موجود ہے مگر بندوں سے بے تعلق ہے ۔ بالفاظِ دیگر کانٹ وحی اور الہام دونوں کا منکر ہے ۔ نیز وہ عیسائیت میں نہ کسی قوت کا معترف ہے نہ کسی روحانیت کا ۔ اس کی نگاہ میں عیسائیت بھی "ایجادِ بندہ" ہی ہے کیونکہ عقلاً محال ہے کہ خدا

---

[1] ساری عمر صحرائے فلسفہ کی خاک چھاننے کے بعد میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب کوئی فلسفی خدا کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو انجامِ کار یا تو وہ شاعری کرنے لگتا ہے یا تصوف کے دامن میں پناہ لے لیتا ہے ۔ سچ کہا اکبر الہ آبادی نے ؎

انکشافِ رازِ ہستی عقل کی حد میں نہیں ÷ فلسفی بیاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے

[2] "DEISM" مسلکِ انکارِ وحی مع اعتقاد بوجودِ اللہ

© rasailojaraid.com

کسی بندے سے ہمکلام ہو۔ اس کے لیے اُسے بھی ایک انسان تسلیم کرنا لازمی ہے۔ کانٹ معجزات کا بھی منکر ہے کیونکہ قوانینِ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اُس نے اس کتاب میں تجسّم۔ تثلیث اور کفّارے کا بھی انکار کیا ہے۔ مختصر اینکہ یہ کتاب اُن تمام کتابوں کا اصل مأخذ ہے جو انیسویں صدی میں کلیسائی اور پولوسی عیسائیت کی تردید میں لکھی گئیں۔

اس کتاب میں کانٹ نے سارا زورِ قلم اس نکتے پر صرف کیا ہے کہ ہم اتنا تو جان سکتے ہیں کہ خدا ہے۔ مگر وہ ہے کیا؟ یہ ہم مطلق نہیں جان سکتے[۲]

کانٹ کے بعد

© rasailojaraid.com

کانٹ نے موضوع اور معروض کی ثنویتِ قدیمہ کو بیشک مٹا دیا مگر اس کی جگہ مظہر اور حقیقت (APPEARANCE AND REALITY) کی ثنویت قائم کر دی۔

اس نئی ثنویت کی وجہ سے کانٹ کے تنقیدی فلسفے سے دو رجحانات ظہور پذیر ہوئے۔ ایک[۱] تشکیکی میلان جس کا خاتمہ نظریۂ قطعیت (POSITIVISM) پر ہوا اور دوسرا[۲] تفکری (SPECULATIVE) میلان جس نے عقل کی مطلقیت کی حمایت کی جس کا کامل ظہور ہیگل کے مدرسۂ فکر کی صورت میں ہوا۔

کانگٹ کانگٹ نے جو فلسفۂ قطعیت یا اثباتیت (POSITIVISM) کا بانی ہے، کانٹ سے استفادۂ علمی کا اعتراف کیا ہے۔
[اگرچہ بقول ڈاکٹر کیئرڈ۔ اس کی معلومات سطحی تھیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو کانگٹ کی سوشل فلاسفی مؤلفہ کیئرڈ (CAIRD)]

لیکن کانگٹ نے بجا طور پر کانٹ پر تناقض کا الزام عائد کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کانٹ

---

[۲] اکبر نے بھی یہی کہا ہے ؎

کیوں خدا کے باب میں جنّتوں کی اتنی دھوم ہے
ہستی میں شبہ نہیں ہے چیست! نامعلوم ہے

© rasailojaraid.com

اپنے افکار میں موافق (CONSISTENT) ہوتا تو وہ صاف لفظوں میں اعتراف کرتا کہ علمِ باری غیر ممکن الحصول ہے اور عالمِ غیر محسوس کا بھی انکار کرتا۔ میری رائے میں جب کانٹ یہ کہتا ہے کہ "ایک حقیقی وجودِ مطلق یا اصل کائنات کا ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہو سکتا" تو وہ کانٹ ہی کے قول کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "انسان کی ذہنی ترقی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ یہ اعتراف کرے کہ ہم اُس حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتے جو مظاہر کے پسِ پشت پوشیدہ ہے۔ اسی لئے مابعد الطبیعات یا فلسفے میں ہم حقیقتِ اقصیٰ کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پس ہمارا صحیح زاویہ نگاہ، لاادریت ہونا چاہیئے۔ یعنی ہم خدا اور نفسِ ناطقہ کے بارے میں کوئی قطعی حکم نہیں لگا سکتے۔ یہ اعتراف ہی ابہام کی انتہا ہے[1]

اسی لئے اس نے خدا کے بجائے انسانیت کو انسان کا معبود بنا دیا۔ وہ کہتا ہے کہ خدا تو ہمارے قیاس، گمان اور وہم سب سے بالاتر ہے۔ ہم نہ اس کا کوئی تخیل کر سکتے ہیں نہ تصوّر[2] اور انسانیت محسوس اور مشہود نہ سہی متصور تو ہو سکتی ہے؛ لٰہذا ہم انسانیت کو اپنا معبود بنا سکتے ہیں یعنی بنی آدم کے احترام اور نوعِ انسانی کی بہبود کو اپنا مطمحِ نظر بنا سکتے ہیں[3]

---

[1] ہر ایک بات پہ کہتا تھا "من نمی دانم" یہ بات سچ ہے کہ اکبر بڑا ہی عالم تھا

[2] میرا ذاتی مسلک بھی یہی ہے کہ خدا کو محدود قرار دیا جائے تو وہ خدا نہیں رہتا اور لامحدود مانا جائے تو کوئی محدود ذہن کسی لامحدود کا تصور نہیں کر سکتا۔ یہ بات محالِ عقلی ہے۔

ذہن میں جو گھر گیا لاانتہا کیونکر ہوا

جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا (اکبر)

[3] کانگٹ کے اس نظریئے میں جزوی صداقت تو ہے مگر کامل صداقت نہیں ہے۔ بے شک ہمیں بنی آدم یا آدمیت کا احترام کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ اقبالؔ نے بھی مشورہ دیا ہے:-

آدمیت احترامِ آدمی باخبر شو از مقامِ آدمی

لیکن خدا پر ایمان نہ ہو تو لاکھوں کروڑوں میں بھی ایک آدمی آدمیت کا احترام کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو سکے گا۔ اگر مثال درکار ہو تو پاکستان کے تمدنی اور معاشرتی حالات پر ایک نگاہ غلط انداز بھی کافی سے زیادہ ہوگی۔ چونکہ قلب ایمان باللہ سے خالی ہیں اس لئے آدم اور آدمیت دونوں کا خون پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہو گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

سر ولیم ہملٹن کانٹ کے فلسفے نے لاادریت کا جو رجحان پیدا کیا اس کو فروغ دینے کا سہرا سر ولیم ہملٹن کے سر ہے جس نے اپنے لیکچروں[1] میں لاادریت کی کافی حمایت کی ہے۔ اس فلسفۂ لاادریت کو ہملٹن کے شاگرد رشید ڈاکٹر مینسل (DR. H.S. MENSIL) نے اپنی تصنیف موسومہ "مذہبی فکر کی حدود" (LIMITS OF RELIGIOUS THOUGHT) میں پوری منطقی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ہملٹن نے اپنے مقالے موسومہ "فلسفۂ غیر مقید" (THE PHILOSOPHY OF THE UNCONDITIONED) میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ اگرچہ خدا بلا شبہ موجود ہے مگر اس کا علم ناممکن ہے۔ اولاً اس لئے کہ ہمارا ذہن محسوسات سے بالاتر ہو کر کسی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا ثانیاً اس لئے کہ الوہیت کی شان اس بات سے ارفع ہے کہ وہ کسی انسانی ذہن کی گرفت میں آسکے اور کوئی محدود ہستی، اس کی کُنہ کو دریافت کر سکے۔[2]

ڈین مینسل ڈین مینسل (۱۸۲۰ء۔ ۱۸۷۱ء) نے بھی یہی طرزِ استدلال اختیار کیا اور کہا کہ ہماری قوتِ مُدرکہ میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی لامتناہی کا ادراک کر سکے۔ نیز انسانی عقل کے لئے کسی غیر محدود ہستی کا تصور ہی محال ہے۔

ہکسلے، مل اور سپنسر ہکسلے، مِل اور سپنسر[3] نے اپنے فلسفۂ لاادریت یا اریتابیت کا

---

[1] ہیملٹن کے لیکچروں کا مجموعہ اڈنبرا سے چار جلدوں میں شائع ہوا تھا جس کا عنوان ہے "منطق اور مابعد الطبیعات پر ہیملٹن کے لیکچر" ان کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو سکتی ہے کہ ہملٹن نے کانٹ سے اثر قبول کیا تھا۔ یہ لیکچر میں نے ۱۹۳۶ء میں پڑھے تھے جو مجھے لاہور کے ایک کباڑی سے صرف دو پیسے میں مل گئے تھے۔

[2] تواں در بلاغت بسحباں رسید نہ در کُنہِ بے چون سبحاں رسید (سعدی)

[3] ان تینوں حکماء کی تصانیف کی بدولت انگلستان میں انکار و الحاد کے فلسفے کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ انیسویں صدی کے آخر میں ان حکماء کے خیالات ہندوستان میں آئے اور تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان اُن سے متاثر ہوئے۔ اکبر الٰہ آبادی نے ان تینوں حکماء پر تنقید کی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

© rasailojaraid.com

قصر ہیملٹن اور مینسل ہی کے افکار کی بنیاد پر تعمیر کیا۔ چنانچہ اسپنسر لکھتا ہے کہ اعلیٰ ترین مذہبی صداقت جس کا ہمیں سب سے زیادہ یقین ہے' یہ ہے کہ وہ قوت جس کا اظہار یہ کائنات کر رہی ہے' کلیتہً ناقابلِ فہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسپنسر نے مذہب کو "ایک مجہول قوّت کے خوف سے مرعوب ہو کر اس کے سامنے سر جھکانے سے تعبیر کیا ہے"

(جاری ہے)

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ

۱۔ نہ پڑھ تو قرآں کا وعظ بھائی خوشی سے تقلیدِ یکہلے کر
پھرے گا کیسو میں آخر اک دن دیا سلائی کا بکس لے کر

۲۔ کتابِ دل مجھے کافی ہے اکبر درسِ حکمت کو میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مِل نہیں ملتا

۳۔ غزالی درد می کی کھبا کون سُنے گا محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مِل ہے

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ العَزِیْز

ہفت روزہ

ندا

لاہور

کا پہلا شمارہ یکم مارچ کو شائع ہوگا

یکے از مطبوعات

محمدؐ حمید احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد - لاھور

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com